# موتیا

سر پر فلوریڈا کا تپتا سورج سایہ کئے تھا مگر اس سائے کے نیچے بسرتی زندگی میں کیا تھا جو نہیں رہا تھا' یا شاید سب کچھ تو ویسے ہی تھا صرف اسی کی پیاس بھڑک اٹھی تھی۔ پول کنارے ڈیک چیئر پر دراز دور سے دیکھنے والوں کے لئے وہ شاید عناصر سے مکمل ہم آہنگی کی تصویر ہو تو ہو مگر یہ بس وہی جانتا تھا کہ وقت آہستہ آہستہ اس کے اندر سے باہر کی طرف رستا اسے خالی کئے دے رہا تھا آنکھوں پر کالے شیشوں کی عینک تھی جو چلتے وقت فرمان نے اسے دی تھی کہ فلوریڈا کا سورج آنکھوں کے لئے اچھا نہیں۔ موتیا اتر آتا ہے اس نصف النہار سورج کے نیچے پھرتی غیر محتاط آنکھوں میں' ایئرپورٹ کی گفٹ شاپ سے اس نے تنکوں سے بنا چوڑے کنارے کا ہیٹ خریدا تھا۔ اس کے لئے بھی فرمان نے تاکید کی تھی کہ سن اسٹروک اور سن برن اور کینسر کی سوغات لئے زمین کی طرف آتی روشنی سے بچنے کے لئے وہ جب دھوپ میں جائے بنا ہیٹ اور بدن پر سن اسکرین ملے ہرگز نہ جائے۔ وہی ہیٹ سر پر تھا اور برابر کھڑی میز پر لیموں کے گلابی شربت کا گلاس جس کے کنارے پر لیموں کا ایک باریک قتلا کمر میں بل ڈالے بڑی نزاکت سے کھڑا تھا۔ اس کے لئے بھی فرمان نے ہدایت کی تھی کہ پیاس ہو نہ ہو بس ہر دم پانی پیتا جائے۔ خوش وقتی کے اور لوازمات بھی تھے اور ماحول بھی مگر اندر--- اندر کے کسی پاتال میں نہ جانے کیوں' ایک ناخوشی تھی کہ لبا لب بھرتی چلی جارہی تھی۔ اس نے چہرے پر سایہ کئے ہیٹ کو ایک انگلی سے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور سیدھے ہوکر ڈیک چیئر سے اتر کر بھاری قدموں سے چلتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ مارلا ہوٹل کی لابی کے آس پاس بنی دکانوں میں کہیں روپوش تھی۔ شاید ہوٹل کے بنگو پارلر میں نمبروں کا کھیل کھیلتی' ہار جیت کے شور کی لہروں میں ہلکورے لیتی' کوالٹی ٹائم گزار رہی ہو--- شاید وہیں کہیں چہرے پر ماسک لگائے نیم دراز' اپنے ہاتھوں پیروں کے ناخن بنوا رہی ہو--- کچھ بھی ہو۔ زندگی ابھی بھی اس کے لئے ایک رس رسیلا کھیل ہی تھی۔ ہادی سے بھی وہ یہی کہتی--- "ہادی جی زندگی آج ہے اور ابھی ہے۔ کل کی فکر کیوں؟ کل سے تو کل ہی ملاقات ہوگی پر اس اندیکھے کل کی فکر میں آج کو -- جو ابھی ہے اور سامنے ہے-- کیوں غارت کریں!" وہ اس کی نیلے کنٹیکٹ لینسوں سے سجی آنکھوں اور سنہرے رنگے بالوں کو حسرت سے دیکھتا۔ کیسی سیدھی' گنجلکوں سے ناآشنا زندگی ہے۔ کتنی آسانی سے اس نے اپنی پرانی زندگی کو یوں اتار پھینکا ہے جیسے پرانا بوسیدہ لباس! ابھی کچھ ہی دیر پہلے وہ جب منہ پر ہیٹ ڈالے لیٹا تھا اور عینک کے کالے شیشوں اور ہیٹ کے تنکوں کی جھریوں سے پول میں پانی کی سطح پر چت لیٹی مارلا کو دیکھ رہا تھا تو کئی بار ایسا ہوا کہ پانی ہلکورے دیتا ہوا اسے پول کنارے لے آیا مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے ذہن میں اٹھتے سوالوں کو الفاظ دیتا پانی ارادہ بدل کر اسے ہلاتا جھلاتا کسی اور طرف لے گیا۔ ایک بار وہ کنارے سے کچھ زیادہ ہی قریب آگئی تو پول کنارے لیٹے ہادی کو

آواز دی۔۔۔ "وہاں کیا پڑے ہو۔ کھال جھلس جائے گی سورج میں۔۔۔ پانی میں آجاؤ لالہ۔۔۔" مگر اس نے سن کر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خود اپنے ہی سوالوں کے جواب ڈھونڈتا رہا تھا! اور یہ بھی اچھا ہی ہے کہ مارلا اسے سوتا ہوا ہی سمجھے۔ کوئی جواب نہ پاکر مارلا نے پانی کی سطح سے سر اٹھا کر اس کیطرف دیکھا پھر آسمان پر اڑتے جہاز کی طرح ایک دم ہی دونوں ہاتھ پھیلا کر پہلو سے اترتی پیٹ پر آگئی اور دونوں پھیلے ہاتھوں کو سامنے کرکے پانی کی سطح کو کھولتی نیچے چلی گئی۔ آدھا دھڑ پانی کے اندر چلے جانے کے بعد اس نے پشت اونچی کی اور جیسے مچھلی کی طرح پھسلتی ساری کی ساری پانی کے نیچے چلی گئی۔۔۔۔ ہادی اس کی انرجی اس کے گٹس اور زندگی سے اپنا حصہ بڑھ بڑھ کر چھیننے کا گواہ تھا اب اس اولمپک پرفارمنس کو دیکھ کر اور بھی رنجور ہو گیا۔ وہاں اپنے ملک میں اس عمر کی عورتیں زندگی بھر کا کام نپٹا دینے کے بعد اب نانیوں' دادیوں کے منصب سنبھالے راضی بہ رضا تھیں۔ مارلا کو اس صورت سے دیکھ لیں تو غش کے غوطے سے شاید ہی ابھریں۔۔۔۔ "ہادی جی۔۔۔ اگر مجھے یہاں رہنا ہے تو میں یہاں۔۔۔ یہاں کے جیسا ہی رہوں گی۔ آپ مجھے روکنے کی کوشش نہ کیجئے گا لالہ" مارلا نے اس کے سامنے کھڑے ہوکر سیدھے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اور پھر اس کے بعد کبھی مڑ کر اس طرف نہ دیکھا جہاں اس نے پرانے اتارے ہوئے کپڑوں کو ڈھیر کیا تھا' نہ ہی کبھی ان حرفوں کو چننے کی کوشش کی جو اس نے اپنے نام سے گرا دیئے تھے۔ پانی کے نیچے جل پری کی طرح تیرتی وہ کنارے پر آئی اور دونوں ہاتھ پول کنارے رکھ کر اچانک باہر آگئی تولئے سے اپنا بدن پونچھتے ہوئے اس نے پھر ہادی کے ساکت ڈھیر کی طرف دیکھا اور ہنس دی۔ "چھٹی منانے کا تمہارا جو انداز ہے وہ کاہے کو کسی نے دیکھا ہوگا۔۔۔ لوگ تفریح سے لطف اندوز ہوتے ہیں تم پر باہر قدم رکھتے ہی رقت طاری ہو جاتی ہے" ہادی نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ مارلا نے تولیہ کرسی پر پھینکا اور اپنے نہانے کے لباس کے اوپر ہی نکر اور ٹی شرٹ پہن کر کرسی پر بیٹھ کر جوتوں کے بند باندھنے لگی۔ "ہادی جی۔۔۔" اس نے ہادی کی ننگی ٹانگ پر ایک موٹی چٹکی لی۔

"ہاں ہاں۔۔۔ کیا ہے؟" ہادی نے بناوٹی نیند سے بوجھل آواز میں کہا۔

"میں نیچے جارہی ہوں۔ گھنٹے دو گھنٹے میں آجاؤں گی۔ تم جب تک اپنی نیند پوری کر لو پھر اس کے بعد کھانا کھانے چلیں گے۔"

ہادی نے منہ سے کچھ نہیں کہا بس پہلو میں پڑا سستی سے بوجھل ہاتھ اک ذرا اونچا کرکے ہلانے کی کوشش کی پھر نیچے گرا دیا۔ مارلا ہنس دی۔ پھر سر ہلاتی اس پر افسوس کرتی۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا بیگ کاندھے پر ڈالا اور تیز تیز چلتی لفٹوں کی طرف چلی گئی۔ اس کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ بھی آہستہ چلتا جیسے کسی بوجھ تلے دبا' کمرے میں چلا آیا تھا۔ مگر اب کمرے میں پہنچ کر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کمرے میں کرنے کیا آیا تھا۔ بیچ کمرے میں کھڑے ہوکر اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ہوٹل کی ملازمائیں کمرہ صاف کرکے جا چکی تھیں۔ بستر پر خوبصورت پھول دار پلنگ پوش بچھا تھا۔ پلنگ کی پائینتی سے لگی نیچی میز پر دو ہلکے سے کمبل تہ کئے رکھے تھے۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے دل میں اٹھتی اس تک تک سے درست کمرے کو بگاڑنے کی خواہش کو دبایا۔ یہ بندھی ٹکی مشینی' سٹیریلائیزڈ sterillized زندگی اس کے کندھوں پر ایک بوجھ بنی بیٹھی تھی۔ وہ جلدی سے مڑا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ دیر سے دھوپ میں بیٹھے بیٹھے اب غسل خانے کے ٹھنڈے اندھیرے اجالے میں آتے ہی اسے یوں لگا جیسے بدن سے بھاپ نکل رہی ہو۔

بیسن میں ہاتھ دھوتے دھوتے اس نے یہ دیکھنے کو آخر آئینہ بھی اس کے بدن سے نکلتی بھاپ سے دھندلا ہوا یا نہیں۔ اوپر نگاہ کی تو جھجک کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ بوڑھا آدمی کون ہے---- نہ نہ---- بوڑھا نہیں! اس نے خود ہی تصحیح کی مگر اس تسلی کے باوجود بھی وہ آدمی ہادی کو کہنہ اور قدیم ہی نظر آیا۔ جانا پہچانا اور شناسا بھی۔

ہادی نے اپنا گیلا ہاتھ ماتھے سے لگا کر سلام کیا۔ آئینے میں کھڑے اس شناسا مرد کہنہ نے بھی ماتھے سے ہاتھ لگا کر جواب دیا۔ دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے رہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس مرد کہنہ کی نگاہیں بدلنے لگیں' جیسے کچھ کہنے کے لئے بے قرار ہو۔ یا جیسے کوئی جھنجلاہٹ باہر آنے کے لئے زور کر رہی ہو۔ آئینے کے اس طرف ہادی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا بیسن کے اوپر جھکتا ہوا آگے بڑھا اور دائیں بائیں دونوں طرف سے آئینے کو مضبوطی سے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

"بیٹا جی--- میں تو بس یہ پوچھتا ہوں---" ہادی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا---- "صرف ایک ہی بات--- کہ آخر کیا سوچ کر حضور نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا تھا؟---- اور اگر کر ہی لیا تھا تو اب یہ گرمی کیوں دکھا رہے ہیں جناب عالی!!"

سامنے کھڑے مرد کہنہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا' صرف بیزار اور غصیلی جھنجلائی آنکھیں اسے گھورتی رہیں۔ پھر چہرے پر ایک لکیر کی صورت سے کھنچے لب کھلے اور ایک بے رخی سے اس نے نگاہیں پھیر لیں اور کہا--- "مجھے اب یاد نہیں---" "یاد کرو---- یاد کرو بیٹا جی---"

"کیا یاد کروں؟"

"یاد کیجئے حضور--- بچتے کیوں پھرتے ہیں اب؟"

"میری بیوی سے پوچھو----" بھینچتے لبوں سے مرد کہنہ نے کہا--- "جاؤ--- اس سے پوچھو جاکر--- اسے ساری باتیں یاد رہتی ہیں---"

"اجی واہ--- آپ کا کیا خیال ہے ہم سمجھے نہیں آپ کو--- خوب خوب جانتے ہیں جن باتوں کا جواب نہیں' ان کا جواب یہ کہ بیوی سے پوچھو--- جواب دینا نہیں چاہتے---- تو بھی بڑی آسانی سے بیویوں کو سامنے کر دیا---- بیوی سے پوچھو--- بیوی نے کہا تھا--- بیوی کا فیصلہ تھا---- خود آپ کی تو کوئی مرضی نہیں تھی----- تھی کیا حضور؟"

وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا اور آہستہ چلتا کمرے میں واپس آگیا۔ ایک بار پھر کمرے کے بیچوں بیچ کھڑے ہوکر اس نے کوئی فیصلہ کرنا چاہا مگر کیا؟ یہی تو راز تھا۔ بہت زور دیا ذہن پر مگر وہ ہٹ دھرم ساتھ دینے سے انکار ہی کرتا رہا۔ اسی گومگو میں وہ کمرے کی اکلوتی کھڑکی کی طرف چلا گیا جہاں سے نیچے جاری سڑک نظر آرہی تھی۔ کاریں متضاد سمتوں کی طرف بھاگی چلی جارہی تھیں۔ ایک کار آہستہ ہوتے ہوتے عین ہوٹل کے راستے کی طرف مڑی مگر پھر ارادہ بدل کر ہوٹل سے کچھ آگے نکل کر کھڑی ہوگئی۔ کچھ دیر بعد ایک اور کار آئی اور اس کار کے پیچھے کھڑی ہوگئی سامنے کی کار سے ایک دبلی' لمبی عورت کالے چمڑے کی تیلون پہنے اونچی ایڑی کے جوتوں پر لہراتی باہر نکلی اور پچھلی کار کی طرف چل گئی۔ اس کے ہاتھ میں سگریٹ تھی چلتے چلتے ایک بار اس نے سگریٹ منہ سے لگا کر دھواں چھوڑا جو فوراً ہی ہوا میں تحلیل ہوگیا' مگر اس ایک لمحے میں جب وہ ابھی بکھرا نہیں تھا اسے یوں لگا اس کے بچپن کے کارٹون کا کیسپر casper ایک جھلک دکھا کر

وقت کی دوسری جانب آہستہ سے اتر گیا ہو۔ پچھلی کار سے کوئی اترا نہیں۔ یہی عورت کار کی کھڑکی میں جھک کر اندر بیٹھے کسی مرد یا عورت سے باتیں کرنے لگی دو ایک بار' باتوں کے دوران وہ سیدھی کھڑی ہوئی اور سگریٹ کے کش لے کر ہوا میں دھوئیں کے چھوٹے چھوٹے سفید بادل اڑائے اور ہر بار یہاں اوپر کھڑکی میں کھڑے ہادی کا دل ایک بچگانہ امید سے جیسے ہمک کر آگے بڑھا مگر وہ کیسپر پھر نظر نہ آیا۔ بوجھل دل' وہ کھڑکی سے ہٹ کر پھر باہر نکل کر لفٹ میں گیا اور اوپر چڑھتا پھر پول کی طرف چلا گیا۔ لفٹ کی خاموشی میں اس نے پھر خود سے ایک سوال کیا تھا مگر ان سوالوں سے فائدہ کیا جن کا کوئی جواب ہی نہ ہو۔ پول کے کنارے کھڑے ہوکر' دیر تک کسی پرانے شناسا گیت کی غمزدہ دھن اندر ہی اندر بجتی ہوئی سنتا رہا مگر لفظوں نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا۔۔۔ مارلا ٹھیک ہی کہتی ہے۔۔۔ اس نے ایک آہ بھری۔۔۔۔ "ہادی۔۔۔ لوگوں کا خمیر نمکین مٹی سے اٹھا ہے تو تمہارا غمگین مٹی سے۔۔۔ جب کوئی غم نہیں تو تمہیں یہ غم کھائے جاتا ہے کہ کوئی غم کیوں نہیں۔۔۔" ٹھیک ہی کہتی ہے مارلا۔۔۔ وہ اور بھی رنجور ہو گیا۔

سہ پہر ڈھل رہی تھی اور پول کے پاس کی کرسیاں سب خالی ہو چکی تھیں سورج اب اس کے سر کے پیچھے تھا مگر پھر بھی اس نے اپنا ہیٹ اٹھا کر پہنا اور کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ مگر اب نہ تو آنکھیں بند کرنے کی ضرورت تھی نہ سوتا بن جانے کی' وہ تھا اور چار سو خاموشی اور سہ پہر کا ڈھلتا سورج' مارلا جہاں کہیں بھی ہوگی بنگو پارلر میں' لابی میں یا کسی بیوٹی سیلون میں۔۔۔ جہاں کہیں بھی ہوگی' وہ جگہ اس کی ہنسی' اس کی باتوں' اس کے ہونے سے سج گئی ہوگی۔ ہمیشہ یہی ہوتا تھا وہ جہاں ہوتی لوگ خود بخود کھنچے اسی طرف چلے آتے۔ جبکہ خود ہادی کو اکثر بات کرنے بات کا جواب دینے کے لئے منہ کھولنے کے لئے بھی کوشش کرنی پڑتی تھی۔۔۔۔ مگر اب چاروں طرف چھائی خاموشی اور سناٹے میں پورے دن میں پہلی بار اس کے لب مسکرانے کی کوشش میں اک ذرا کھلے مگر فوراً ہی اس کا دل پھر سے غوطہ کھا گیا۔ سامنے لفٹوں کی طرف سے ہوٹل کا کوئی ملازم اس کی طرف چلتا چلا آرہا تھا۔ اب یہ چاہے کچھ بھی کہے پول ایریا بند ہوجانے کی اطلاع دے۔ وہ ہرگز بھی یہاں سے جانے والا نہیں۔۔۔ کسی کا پول کنارے دعوت پارٹی منانے کا ارادہ ہے تو بھی نہیں جاؤں گا۔۔۔ کسی ضدی بچے کی طرح جم کر مقابلہ کرنے کے لئے اس نے خود کو تیار کرنا چاہا۔

"آپ کے لئے ایک نوٹ ہے صاحب!" وہ قریب آگیا اور ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے کھول کر دیکھا۔ مارلا کی طرف سے تھا۔ آخر میری پہچان کیا بتائی ہوگی مارلا نے؟ (وہ جو پول کنارے مگرمچھ لیٹا ہوا ہے!؟) سوچ کی ایک لہر اس کے ذہن میں آئی اور گزر گئی۔۔۔۔ "میں بنگو پارلر میں ہوں سات بجے لابی میں انتظار کروں گی۔ کھانا کھانے باہر چلیں گے۔۔"

اس نے کارڈ میز پر رکھ دیا۔

"کوئی جواب صاحب؟"

"بس ٹھیک ہے۔۔۔" اس نے آواز کو گرمجوش بنانے کی کوشش کی مارلا کو اس کے جواب کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے پیغام بھیجا تھا۔۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔

"آپ ابھی بیٹھیں گے؟"

"ابھی بیٹھوں گا!"

"موسم اچھا جارہا ہے" لڑکا بات کرنے پر مصر تھا۔ شاید وہ بھی کہیں دور سے آیا تھا اور انسانی رابطے

کا خواہاں تھا۔ جسمانی رابطے تو حاصل ہو جاتے ہیں مگر یہ لمحاتی جسمانی رابطے انسانی رابطے شاید کبھی بھی نہیں بن پاتے۔ اس نے لڑکے کے چہرے پر نگاہ کی جہاں ڈھلتی دھوپ کے سائیوں نے چہرے کے نقوش کو چھوٹے بچوں کی سی معصومیت دے دی تھی۔ ہادی نے بھی آگے بڑھ کر اس کی بات چیت کی خواہش کا پھیلا ہاتھ تھام لیا۔

"اچھا تو ہے۔۔۔۔ اور پھر اسی موسم کے لئے تو لوگ یہاں آتے ہیں۔۔۔"

"میں پورٹ لینڈ سے آیا ہوں۔ آج کل کالج بند ہیں ایک طرح سے تو میں اپنی چھٹیاں گذار رہا ہوں یہاں ویسے بھی سردیوں کی چھٹیوں میں کون ٹھنڈے علاقوں میں رہنا چاہتا ہے۔ یہاں موسم اچھا ہے۔ کام اچھا ہے پیسے اچھے ہیں۔۔ اور کیا چاہئے؟" وہ خوشدلی سے ہنس دیا۔

"بالکل ۔ بالکل اور بھلا کیا چاہئے"

"ایک ماہ ہونے والا ہے مجھے یہاں۔ میرا تو ارادہ ہے کہ جیسے ہی اپنی پڑھائی ختم کر لوں گا تو بس یہیں آجاؤں گا۔ ایک بار کچھ دن یہاں گذر جائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں زندگی کتنی ادھوری ہے۔ نہ تو گرمیوں میں گرمی ہے' نہ سورج میں ایسی تیزی! سردیوں میں بس برف کاٹتے رہو' برف صاف کرو۔۔۔ گاڑی کا انجن فریز freeze نلکے فریز۔۔ رگوں میں خون فریز۔۔۔ کائنات فریز!"

وہ ایک بار پھر اسی بچگانہ خوشی سے زور سے ہنس دیا۔

ہادی کو بھی اچانک یاد آیا کہ فرحان نے بھی تو یہی کہہ کر اسے یہاں بھیجا تھا کہ اب جب اس پر کوئی ایسی ذمہ داری نہیں تو کیوں نہ وہ اپنی سردیاں کسی گرم علاقے میں گذار آئے۔۔۔ یہ الگ بات کہ جاتے ہوئے بھی وہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ یہ پٹی اس کی اطالوی بیوی کی پڑھائی ہوئی تھی۔ جب سے وہ ریٹائر ہوا تھا' اس کے آئے دن کے پھیروں سے وہ کچھ اکتائی ہوئی سی رہنے لگی تھی۔

"۔۔۔۔ کہ کبھی گرم کپڑوں میں بنڈل کی طرح لپٹنا نہیں پڑے گا۔۔۔ وہاں تو اپنا وزن ایک طرف ایک کے اوپر ایک چڑھائے گئے کپڑوں کے' کئی پونڈ اور اٹھائے پھرو۔۔۔ سر پر ٹوپی۔۔۔ ہاتھوں پر دستانے' جوتوں پر جوتے۔۔۔ کانوں پہ ٹوپیاں۔۔۔ مونچھوں پر جمی برف۔۔۔۔"

وہ دونوں زور سے ہنس دیئے۔

"میں اب چلتا ہوں۔۔۔" لڑکا ہنستے ہنستے الٹے پیر چلا۔ "آپ سے بات کرنا اچھا لگا وہاں پورٹ لینڈ میں میرا دادا بھی ہے۔ بہت بوڑھا ہو گیا ہے اب تو مگر' میرا بچپن اسی کا ہاتھ پکڑے گذرا ہے۔ سردی اچھی نہیں اس کے لئے۔ اگر میں نے اتنے پیسے بنا لئے تو شاید ایک ہفتے کے لئے اسے بھی یہاں بلا لوں گا مشکل یہ ہے کہ یونیورسٹی کی پڑھائی بہت مہنگی ہے۔۔۔۔ اوکے' اب چلتا ہوں' پھر کبھی ملیں گے تو بات کریں گے۔۔۔" وہ ماتھے سے ہاتھ لگا کر "بائے" کہتا ہوا چلا گیا کیسا اچھا بچہ ہے۔۔۔' آئینے کا بوڑھا پھر اس کے سامنے آکھڑا ہوا

"ہاں بھئی اچھا تو ہے۔۔۔ کیا خبر تمہارا پوتا جوان ہو کر کیسا نکلے۔۔۔ کیا خیال ہے؟ وہ بھی ایسے ہی بات کرے گا تمہارے بارے میں؟"

"اب کیا پتہ بھئی۔۔۔ نہ بھی کرے تو کیا کرلیں گے؟ مگر یہ تم مجھ سے ہی بار بار پوچھتے ہو۔ سوال پہ سوال کئے جاتے ہو۔ تم بھی تو کہو آنا نہیں چاہتے تھے تو کیوں آئے؟"

مرد کمنہ اچانک بہت ناراض ہوگیا
"مارلا چاہتی تھی۔۔"
"بزدل۔۔۔ بیوی کا نام لیتے ہو؟" مرد کمنہ نے چڑانے کے سے انداز میں کہا۔
"بزدل کیوں؟" اس کا صبر و ضبط ختم ہو گیا
"تمہیں جاننا چاہیے تھا کہ جب ہم نے اپنا وطن چھوڑا تو دنیا میں اپنی جگہ اپنے مقام سے بھی دستبردار ہو گئے۔۔۔ اب کس لئے شکایت کرتے ہو؟" بوڑھے نے سختی سے کہا اور دیر تک چپ کھڑا سخت نظروں سے گھورتا رہا۔۔۔ ہادی نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سامنے کئے اور بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ ان پر نمودار ہونے والے بھورے سیاہ دھبوں کو گننا شروع کر دیا۔

رفتہ رفتہ اس کے چہرے پر چھائی سختی نرمی میں بدل گئی۔۔۔ تمہیں یاد ہے ایک صبح جب تم بچپنے کی پیاری نیند میں کھوئے' ہنستے خواب دیکھتے اٹھے تو دادا تمہارے پلنگ کے پاس گھٹنوں پر جھکے بیٹھے تھے۔ ان کی جھولی میں بڑی ہلچل مچی تھی' جیسے کوئی کسی کو گدگدا رہا ہو' ایک سہانا شور مچا تھا۔ تم نے جاننے کے لئے دادا کے چہرے پر نگاہ کی جہاں صبح صادق کا اجالا پھیلا تھا۔ انہوں نے ایک انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کر تمہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دوسرے ہاتھ سے آہستہ سے اپنی جھولی کھول دی اور پیلی زرد روئی کے چھوٹے چھوٹے گولے سے کودتے پھاندتے تمہارے پلنگ پر آگئے۔ رات میں کسی وقت لال سنہرے پروں والی مرغی کے انڈوں سے بچے نکل آئے تھے۔ دادا صبح کی نماز کے بعد جب مرغیوں کے ڈربے کی طرف گئے تو پوری کوٹھڑی ان کی چک چک چوں چوں سے بجی تھی' تم ان چھوٹے چھوٹے بے قرار چوزوں کو اپنی بانہوں میں بھرنے کی کوشش کرتے کھلکھلا کر ہنس دیئے تھے اور جھریوں میں چھپی دادا کی آنکھیں تمہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔۔۔ تمہیں یاد ہے۔۔۔۔۔۔۔؟ وہ چپ بیٹھا سانی یادوں کے سنہرے دیس میں جا نکلا

"وہی دادا۔ جن کی انگلی پکڑے تمہارا بچپن گذرا تم انہیں چھوڑ آئے۔ ان کے ہر خط کے جواب میں تم یہی لکھتے رہے کہ بس آئندہ سال۔۔۔ بس ایک برس اور ۔۔۔ وہ مر گئے تو بھی تم نہ گئے۔۔۔" ہادی نے اپنا جھکا سر اٹھایا۔ چاروں طرف سیاہ رات پھیلنے میں اب کچھ ہی دیر باقی تھی۔ ہوا یک دم ٹھہر سی گئی تھی اور پول کا پانی ساکت تھا اسے کچھ یوں لگا جیسے اس چھائے سکوت میں دور کہیں موذن کی آواز ابھری ہو۔ کچھ دیر اس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ پھر وہ اٹھا اور سامنے کھڑے آئینے کے بوڑھے کو نظر انداز کرتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

رات میں وہ اخبار لئے صوفے پر بیٹھا تھا اور مارلا آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے چہرے کی دیکھ بھال کررہی تھی۔ دونوں رخساروں پر گلابی رنگ کی کریم پھیلا کر اس نے نیچے سے اوپر کی طرف آہستہ آہستہ مالش شروع کی جیسے نیچے کو ڈھلک جانے پر مصر رخساروں کو کسی جادوئی مرہم پٹی کے سہارے اوپر اٹھا کر رہے گی۔

"کیا پڑھ رہے ہو ہادی؟" مارلا نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی پوروں سے اپنے رخساروں پر بڑے پیار سے مالش کرتے ہوئے کہا۔
"ہوں۔۔۔" ہادی نے مبہم سا جواب دیا۔
"ہوں کیا؟ ہادی جی یہ بھی کوئی جواب ہے؟" مارلا ہاتھوں کو اوپر نیچے گردش دیتی آئینے میں دیکھتی

رہی۔

"ہوں۔۔۔" اس نے ایک بار پھر منہ ہی منہ میں کہا

مارلا نے ہنس کر سر ہلایا اور آئینے میں اس کی طرف دیکھا وہ بے خبر اخبار پڑھتا رہا۔ کچھ دیر اس نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹایا اور مارلا کی طرف دیکھا۔

"مارک ٹوئین کے خطوں کی ایک اور کتاب بازار میں لانے کی تیاریاں ہیں۔۔۔ تمہیں پتا ہے کتنے خط لکھے اس نے اپنی زندگی میں اپنی دوستوں' عزیزوں کو؟"

"کتنے بھلا؟" مارلا نے کوئی خاص دلچسپی ظاہر کیے بنا کہا۔

"دس ہزار۔۔ ذرا سوچو مارلا۔۔ دس ہزار خط!!"

"کیوں؟۔۔۔ اور کوئی کام نہیں تھا زندگی میں؟"

"تم نہیں جانتیں میں کس کی بات کر رہا ہوں؟"

"ہاں بھئی نام تو کچھ سنا ہوا لگتا ہے۔۔۔" مارلا نے اب بھی اسی انداز میں کہا۔

"کس کا نام سنا ہوا لگتا ہے؟" ہادی چڑ گیا "مارک ٹوئین کا؟ اس کے خطوں کی پہلی کتاب کا؟ آنے والی کتاب کا؟ کس کا؟ تم واقعی نہیں جانتیں وہ کون تھا؟"۔۔۔ "ہوگا کوئی۔۔۔" مارلا ہنس دی ۔۔۔ "دنیا میں کیا جانے اور کتنے مارک ٹوئین ہوں گے کون جانتا ہے ان کو؟ اور سو باتوں کی ایک بات تو یہ ہے ہادی جی کہ ماضی تو بس دوسرا ملک ہوتا ہے۔۔۔ پچھلا پڑاؤ۔۔۔ جہاں سے گذر آئے تو گذر آئے۔۔۔ کسی کے دس ہزار ماضی کے خطوں کا میرے حال میں کیا کام؟"

"تو تم نے ہل بیری فن اور ٹام سوئیر بھی نہیں پڑھے؟"

مارلا جواب دیئے بنا پھر ہنس دی۔ ہادی حیران اس کی صورت دیکھتا رہا

"ایسے نہ دیکھو میری طرف۔۔۔ چلو بتاؤ کیا بتا رہے تھے تم خطوں کی بات۔۔۔"

"تمہیں دلچسپی ہی نہیں تو میں کیا بتاؤں؟ کیا کہوں؟"

"تم بتاؤ گے تو ہو جائے گی۔۔۔"

"نہیں" اس نے مایوسی سے کہا مگر پھر تھوڑی دیر بعد خود ہی نرم پڑ گیا۔

"ایک خط کی ایک لائن بھی ہے لکھی ہوئی یہاں۔۔۔ لکھا ہے۔۔۔ پڑھنے کے بعد اس خط کو جلا دینا میں نہیں چاہتا کہ میرے زمین میں بوئے جانے کے بعد کوئی بیکار میں یہ لٹریری نشانیاں اور مارک ٹوئین کے غیر مطبوعہ خطوط کے نام سے انہیں شائع کردے۔۔۔ دیکھا تم نے مارلا کسی نے بھی تو اس کی خواہش کا احترام نہ کیا۔ نہ اس نے جس کے نام یہ خط لکھا گیا نہ ان لوگوں نے جو اس کے دس ہزار خطوط کی کان کھود رہے ہیں"

"تو ہادی جان۔۔۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔ وہ تو بویا گیا۔۔۔"

"مگر خواہش کا احترام بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے!! کتنا بے بس ہے انسان اور کتنا شاطر ہے انسان کی بے بسی سے فائدہ اٹھانے والا انسان۔۔۔"

"چلو ہو گیا ماتم شروع۔۔۔ تم کو تو ہادی رونے دھونے کے لئے بس کوئی بھی بہانہ چاہیئے۔۔۔"

مارلا ہنس دی۔۔۔ پھر سامنے رکھے طرح طرح کے چھوٹے بڑے شیشے بند کئے' روئی کے پھائیوں سے

اپنا چہرہ صاف کیا۔ ٹشو پیپر سے ہاتھ پونچھے اور سر جھکا کر پہلے ایک آنکھ اور پھر دوسری آنکھ سے کونٹیک لینس کی نیلے رنگ کی ننھی ننھی کنوریاں سی نکالیں اور ان کو ڈبیا میں رکھ کے اٹھ کر اپنے بستر کی طرف چلی گئی۔ پلنگ کی پٹی پکڑ کر وہ دو چار بار اٹھی بیٹھی پھر بستر میں گھس گئی۔ ہادی نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ سیاہ آنکھیں اب اس کے چہرے پر اجنبی لگتی تھیں--- مگر ایسی باتیں کہنا اب کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

"کوئی اچھی خبر سناؤ اخبار دیکھ کر--- مگر یاد رکھئے گا ہادی جی--- کوئی آنسو بھری داستان نہیں--- ہرگز ہرگز نہیں---" اس نے ہادی کی طرف دیکھتے ہوئے سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی تاکیداً" اٹھائی پھر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

ہادی نے صفحے پلٹے اور یہاں وہاں سے اخبار بلند آواز میں پڑھنے لگا جہاں مضمون کچھ بھاری بھرکم ہونے لگتا وہ دوسری خبر پر چلا جاتا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مارلا کی طرف دیکھا وہ دونوں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھے' دونوں کہنیاں جوڑے اس کی طرف منہ کئے لیٹی سو چکی تھی۔ کیسا اطمینان تھا اس کے چہرے پر ایک ننھی منی سی مسکان بڑے مالکانہ انداز میں بیٹھی تھی۔ وہ کافی دیر اخبار کے اوپر سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ایک آہ بھر کر اخبار برابر کی کرسی پر رکھ دیا--- دونوں کو کچھ ہو گیا تھا یا وقت الٹی چال چلنے لگا تھا ذرا خاموشی ہوتی' تنہائی آتی۔ کوئی چپکے چپکے یادوں کے ڈھیر کریدنے لگتا--- کبھی سردیوں کی طویل شاموں میں دادا اسے اپنے کمرے میں بلاتے اور فسانہ عجائب سنانے کو کہتے۔ وہ جانتے ہوئے بھی ہمیشہ ان سے ایک ہی سوال کرتا--- کیا شروع سے شروع کروں دادا جی۔؟ اور دادا کاسنی رنگ کا لحاف اوڑھے آنکھیں بند کئے اونچے تکیوں کے سارے آدھے لیٹے' آدھے بیٹھے حقے کی نے منہ سے ہٹاتے اور اس کی طرف دیکھ کر کہتے --- "نہیں دادا کی جان--- کہیں سے بھی پڑھو..... اور جب تھک جاؤ تو چلے جانا' میں شاید سو جاؤں۔ یہ داستان اس نے دادا کے لئے جانے کتنی بار پڑھی ہوگی مگر کبھی خود مکمل نہ کی۔ کبھی جانا ہی نہیں کہ داستان کا آغاز کیسے ہوتا ہے--- اب اس نے دادا کی جگہ خود کو پلنگ پر لیٹے بیٹھے دیکھا تو پلنگ کے برابر رکھی کرسی پر نہ کوئی داستان تھی۔ نہ داستان پڑھنے والا--- ٹونی؟؟ وہ اس کا دس برس کا پوتا جو اپنی بڑی بہنوں کی گڑیوں کے کھیل حقارت سے دیکھتا تھا۔ جو ہر ویک اینڈ پر بیس بال کھیلتا تھا--- جو ہفتے میں دو دن رائڈنگ کے سبق لیتا تھا۔ جس کی منگل کے روز تیراکی کی کلاس ہوتی تھی جو جمعرات کو بارہ سال سے کم عمر کے بچوں کے ہیلتھ کلب میں جاتا تھا' کیمپ' پکنک' سکاؤٹ' وہ ٹونی--- جس کے لئے ہفتے کے سات دن کم پڑ جاتے تھے؟--- گو اسی ٹونی کو دیکھ کر جہاں اس کا دل فخر سے اونچی اڑانیں بھرنے لگتا وہیں ایک تسلی بھی دل کو ہوتی کہ وہ اس کا پوتا' ہجرتوں کے غم سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ آئیڈینٹی کرائسس اس کو اندر ہی اندر چاٹتا نہیں رہے گا وہ کلچرل ایولیوشن کے بے جوڑ پھندوں سے نکل چکا تھا' وہ اب اس دھرتی کا بیٹا تھا--- کچھ دیر بعد ہادی بھی اٹھا اور جاکر بستر پر لیٹ گیا راہداری میں کچھ لوگ اونچی آواز میں باتیں کرتے گذر گئے' ایک عورت کی ہنسی کی آواز اور پھر خاموشی--- وہ کافی دیر کان لگائے کسی کمرے کے کھلنے' بند ہونے کی آواز کا انتظار کرتا رہا--- باہر رات نہ جانے کس سمت رواں تھی۔ یہاں چوتھے مالے کی کھڑکی میں تو آسمان بھی کہیں دور دور نہ تھا۔ صرف کھڑکی پر پڑے مہین پردوں کے پیچھے سے نیچے سے اٹھ کر آتی روشنی کمرے میں جھانکنے کی کوششوں میں لگی تھی' کبھی کوئی کار پوری روشنی دیئے بغیر گذرتی تو کمرے کی

دیوار پر چند سائے آگے پیچھے بھاگتے ابھرتے اور غائب ہو جاتے۔۔۔۔۔ نیند دور دور نہ تھی۔

یونہی جب نیند کے انتظار میں چپ لیٹے رات پہر بھر رہ گئی تو اس نے آنکھیں بند کیں اور اپنے لڑکپن کے دنوں میں لوٹ گیا جہاں ایک چھوٹا سا لڑکا اپنے دوسرے بہن بھائیوں کے درمیان تختوں کے پلنگ پر سو رہا تھا' جہاں برابر کے کمرے سے بابا کے خراٹوں کی آواز آتی تھی۔۔۔ وہی آواز جو اس کے لئے ہمیشہ ہی ایک پناہ ایک حفاظت کا وعدہ ہوتی۔ جہاں رات گئے کبھی کسی ڈراؤنے خواب سے اس کی آنکھ کھل جاتی تو اماں اور ابا کے کمرے سے آتی یہ آواز اسے اپنی بانہوں میں لے کے تھپک تھپک کر سلا دیتی۔ جہاں نیند میں کھوئی ہموار سانسوں کے سائے میں گذرتی رات ایک نئی صبح ایک پر ہنگام اور بارونق دن کی نوید ہوتی جہاں باہر' سرما کی یخ بستہ رات چھتوں پر' کھڑکیوں پر اور گھر کی طرف آتے راستے پر کہر جماتی' آہستہ آہستہ گذرتی' گذر جاتی۔۔۔۔ اس کی بند آنکھوں میں نیند اترنے لگی' جیسے پنجوں پر چلتی' کوئی آہٹ کوئی کھٹکا کئے بنا چپکے چپکے اس پر چھا گئی۔۔۔۔ مارلا نے نیند میں سسکی لی۔ شاید اس کو تنہا پاکر کسی ڈر' کسی خوف نے اس پر شب خون مار دیا تھا۔۔۔ اس نے ہادی کی طرف کروٹ بدلی اور اس میں چھپنے کی کوشش کرنے لگی۔ نیند میں پوری طرح کھو جانے سے پہلے ہادی نے مارلا کو اپنے سینے سے لگایا اور اس کی کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا دیا۔۔۔۔